حضرت مولانا محمد میاں صاحب (سابق ناظم جمعیۃ العلماء ہند)
شیخ الحدیث مدرسہ امینیہ دہلی، مصنف شاندار ماضی

حیاتِ مسلم کی ایک جھلک

قربانی، ایثار اور تقسیم دولت کی نادر مثال

نعروں کی بجائے عمل

الحق بلاناغہ ہر ماہ آتا رہتا ہے۔ اعانت حق فریضۂ مسلم ہے۔ طبیعت چاہتی ہے کہ رسالہ الحق کی بھی کچھ خدمت کروں۔ مگر خدمت کے راستے مسدود ہیں۔ اپنا مضمون بھیجنا اول تو تحفۂ فلفل ہندوستان کی مثال ہے۔ پھر راستہ ایسا پیچیدہ کہ پہنچنے کا اطمینان نہیں ہوتا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ارشادات کی تعمیل سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے تو بلا فرمائش تبرع تو نا ممکن —— کاغذات میں ہم رشتہ مضمون نکل آیا۔ کاپی شدہ ہے کسی خاص داعیہ کی بنا پہ لکھا تھا۔ الجمعیۃ میں تو یقیناً شائع نہیں ہوا۔ شاید کسی اور رسالہ یا اخبار میں بھی شائع نہیں ہوا۔ خیال آیا کہ اسی سے تبرع کر دوں۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف۔ والسلام۔

نیاز مند محمد میاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے تیرہ سال از ۶۰۹ء تا ۶۲۲ء مکہ میں گذرے۔

اس تیرہ سال کے عرصہ میں اگرچہ مسلمانوں کی تعداد دو سو سے زیادہ ہو گئی، مگر ان کی حیثیت ایسی نہیں تھی کہ جماعتی نظم قائم ہو سکے۔ ایک بڑی تعداد کو مجبور ہو کر اپنے وطن (مکہ) سے نکلنا پڑا۔ انہوں نے حبش جا کر پناہ لی۔ جو مسلمان مکہ میں تھے۔ وہ رات دن طرح طرح کے مصائب میں مبتلا تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عرب کے قریبی رشتہ دار تقریباً تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ مکہ کے باشندوں نے ان سے بائیکاٹ رکھا۔ لیکن اس انتشار اور پراگندگی کی صورت میں اگرچہ کوئی باقاعدہ پروگرام نہیں پیش کیا جا سکتا تھا۔ مگر اس دو حرفی پروگرام پر اس لاچارگی اور بیچارگی کے زمانہ میں بھی برابر عمل ہوتا رہا —— کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ (سورۂ نساء رکوع ۱۱)

سیرتِ مقدسہ پر نظر رکھنے والا اس فیصلہ پر مجبور ہے کہ مکّی زندگی کے تیرہ سالہ دور میں یک بنیادی مقصد عمل کی پوری سرگرمی کے ساتھ کامیاب بنایا گیا ـــــ عام محاورہ کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہے کہ کچھ نظریات پیش کئے گئے اور ذہنوں کو ان کے لئے ہموار ہی نہیں کیا گیا بلکہ ان نظریات کو ذہنوں میں رچا دیا گیا ـــــ آجکل دولت، سرمایہ داری اور تقسیمِ دولت کی بحث ہے۔ اس مناسبت سے وہی نظریات پیش کئے جا رہے ہیں جنکا تعلق اس موضوع سے ہے ـــــ سورہ بلد اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی جسکی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے :

"کیا انسان خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا۔ کہتا ہے کہ میں نے بے شمار دولت خرچ کر ڈالی (میں نے کھپایا مال ڈھیروں۔ ترجمہ شاہ عبدالقادر) کیا یہ سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا ہے اسکو کسی نے۔ کیا ہم نے اسکو دو آنکھیں نہیں دیں۔ زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے۔ ؟ اور کیا ہم نے اسکو دونوں راستے نہیں بتا دئے۔ ؟ پس وہ گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا۔

آپ کو معلوم ہے گھاٹی کیا ہے۔ ؟

(گھاٹی یہ ہے) چھڑانا کسی گردن کا۔ (مصیبت زدہ غلاموں کو رہائی دلانا) یا کھلانا بھوک کے دن میں کسی رشتہ دار یتیم کو، یا کسی خاک میں رہنے والے مسکین کو (محتاج کو)

سورہ بلد پارہ ۳۰ ۔"

سورہ دہر بھی اسی زمانہ میں نازل ہوئی۔ جسکی چند آیتوں کا ترجمہ یہ ہے۔ ان آیتوں میں اللہ کے نیک بندوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

"ایسے وقت کہ جب خود ان کو کھانا محبوب ہوتا ہے۔ اور خود اپنے اندر اس کی ضرورت اور طلب محسوس کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ مسکین کو، یتیم کو اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ان کا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ ہم صرف اللہ کے لئے کھانا کھلا رہے ہیں۔ تم سے ہمیں نہ کوئی بدلہ درکار ہے۔ اور نہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارا شکریہ ادا کریں۔ (سورہ دہر۔ جزء ۲۹)

سورہ ہمزہ کی چند آیتوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے۔ وہ سرمایہ دار کے خلاف کس شدت سے گرج رہی ہیں :

"بڑی خرابی ہے ہر اس شخص کے لئے جو پس پشت عیب نکالنے والا ہے۔ اور رو در رو طعنہ دینے والا ہے۔ (یہ وہ مغرور اور متکبر ہے) جس نے سمیٹا مال اور اسکو گن گن کر رکھا

جو سمجھتا ہے کہ اس کا مال سدا رہے گا اس کے ساتھ۔ (اسکی دولت دوام پذیر ہو گی)
ہرگز نہیں! ایسا شخص یقیناً پھینک دیا جائے گا حطمہ میں اور تم جانتے ہو کہ
حطمہ کیا ہے۔؟

وہ آگ ہے جو بھڑکائی گئی ہے خدا کی طرف سے جو جھانک لیتی ہے دلوں کو۔ وہ
ان پر بند کر دی جائے گی۔ (مونڈ دی جائے گی) لمبے لمبے ستونوں میں۔

اس مضمون کی آیتیں جو مکہ معظمہ کے اس دور میں نازل ہوئیں۔ قدرتی بات ہے کہ انہوں نے اس مقدس جماعت کے دلوں کو مال و دولت کی محبت سے پاک کر دیا۔ اور یہاں تک نکھار دیا کہ درہم و دینار سے ان کو ایسی ہی نفرت ہو گئی جو اونٹ اور بھیڑ کی مینگنیوں سے نفرت تھی۔

ان تعلیمات کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تمام سرمایہ جو زمانہ تجارت میں کمایا تھا خرچ کر کے فاقہ کو دولت قرار دے چکے ہیں ـــ ان کی رفیقۂ حیات طاہرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو مکہ کے دولت مندوں میں سب سے اونچا درجہ رکھتی تھیں اپنی تمام دولت خرچ کر کے فقر و فاقہ کو نعمت تصور کرنے لگیں ـــ وفات ہوئی ہے تو ترکہ میں ایک بھی ایسی چیز نہیں ہے جس کا ذکر کیا جا سکے۔ ـــ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جن کے پاس اسلام لانے کے دن چالیس ہزار کا سرمایہ تھا، جب وہ مکہ سے روانہ ہوئے تو صرف پانچ ہزار باقی تھے۔ اس عرصہ کے کاروباری منافع کے علاوہ اصل پونجی یعنی پینتیس[۲۵] ہزار صرف ہو چکے تھے۔

البتہ گردن چھڑانے کی ہدایت جو قرآن پاک میں کی گئی تھی اس کے مظاہرے کھلے طور پر سامنے آتے ہیں۔ کتنے ہی غلام ہیں جنکو خرید کر آزاد کیا گیا۔ کتنے ہی مقروض ہیں جن کے قرضے ادا کیے گئے۔ خدا جانے کتنے بھوکے ہوں گے جن کی ضروریات کا تکفل فرمایا گیا ہو گا ـــ حلیمہ سعدیہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔ جن کے یہاں خشک سالی ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس امداد کے لیے پیغام بھیجا۔ حضرت خدیجہؓ نے ۴۰ بکریوں کا ایک گلہ خرید کر ان کے حوالہ کر دیا۔

ـــ جو آیتیں اس زمانہ میں نازل ہوئیں ان میں ایک فرض یہ بھی قرار دیا گیا۔ کہ دوسروں کو غرباء پروری پر آمادہ کریں۔ یعنی بخل اور سرمایہ پرستی کے جراثیم جس طرح اپنے اندر سے ختم کریں اسی طرح دوسروں کو بھی اسکی دعوت دیں اور داد و دہش کی فضا بنائیں ـــ سورۂ الحاقہ کی آیات ۳۰ تا ۳۴ کا ترجمہ یہ ہے ـــ

اس شخص کو پکڑو اور اس کے طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ میں اسکو داخل کر دو۔ پھر ایسی

زنجیریں جنکی پیمائش ستر گز ہے اسکو جکڑ دو۔ (کیوں یہ عذاب کس لیئے؟ وجہ یہ ہے۔)
یہ شخص خدائے بزرگ پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اور غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج (مرنے کے بعد قیامت کے روز) اس شخص کا نہ کوئی دوست والی ہے اور نہ اسکو کوئی کھانے کی چیز نصیب ہے۔ (اگر کچھ ہے تو) صرف زخموں کا دھوون جسکو صرف وہی کھائیں گے جو بڑے گنہگار (پاپی) ہوں گے —

سورہ الحاقہ ۶۹ / ۳۰ تا ۳۷

تم نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے۔ انصاف کو (پاداش عمل پر یقین نہیں رکھتا) یہ وہی ہے جو دھکیلتا ہے یتیم کو۔ جو ضرورتمند (مسکین) کو کھانا دینے کی تاکید اور ترغیب نہیں کرتا۔

سو ایسے نمازیوں کے لیئے بڑی خرابی ہے۔ جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جو دکھاوا (ریاکاری) کرتے ہیں۔ جنکی تنگدلی کا یہ عالم ہے کہ برتنے اور استعمال کرنے کی چیز مانگے پر وہی گوارا نہیں کرتے۔ (سورہ الماعون ۱۰۷ / ۱-۷ اس کے علاوہ سورہ فجر ۸۹ / ۱۶-۲۰ وغیرہ)

مکی زندگی کا دور ختم ہوا۔ مہاجرین کا قافلہ مدینہ پہنچا۔ یہاں ایک نہایت پیچیدہ اقتصادی سوال پیدا ہوا — مدینہ خاص کی آبادی جو اسلام کی پناہ گاہ تھی دو ڈھائی ہزار سے زیادہ نہ تھی — وہ جانباز مخلص جو اپنی ذمہ داری پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو مدینہ طیبہ لائے تھے۔ بیعتِ عقبہ کے وقت ان کی تعداد بہتر تھی۔ ان کے رفقاء اور معاون جو مدینہ طیبہ میں تھے، وہ چند سو سے زیادہ نہ تھے۔

مختصر یہ کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو افراد ہوں گے جو مدینہ طیبہ میں اس تحریک کے ذمہ دار تھے ان میں سے بہت سے غریب اور تہی دست بھی تھے جو صاحبِ حیثیت تھے ان کے پاس نہ کوئی کارخانہ تھا، نہ کوئی تجارتی منڈی تھی، نہ صنعت وحرفت کا کوئی سلسلہ تھا۔ صرف کاشتکار تھے جن کے پاس زراعت کے لیئے تھوڑی زمینیں تھیں یا کھجوروں کے باغات تھے۔ ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو کم وبیش ایک سو افراد بہت تھوڑے عرصہ میں مدینہ پہنچ گئے۔ ان میں سے بہت سے وہ تھے جو اپنے وطن مکہ میں اچھی خاصی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن جس صورت سے ان کو وطن (مکہ) چھوڑنا پڑ رہا تھا۔ وہ حد درجہ خطرناک تھی، ان کے لیئے ممکن نہیں تھا کہ اپنے ساتھ وہ سرمایہ لاسکیں۔ پوری رازداری کے ساتھ چھپ کر نکل آنا ہی بہت بڑی کامیابی تھی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مکہ کے ایک رئیس گھرانے کے ایک فرد تھے۔

ان کے ارادۂ ہجرت کا پتہ چل گیا۔ تو خاندان کے آدمیوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ انہوں نے انتہائی عاجزی وزاری کی تو اس شرط پر یہ روانہ ہو سکے کہ اپنے سرمایہ میں سے اپنے ساتھ کچھ نہیں لے جائیں گے۔

مہاجرین کے سلسلے میں صرف مکہ ہی کے حضرات نہیں تھے۔ بلکہ جب مدینہ طیبہ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی تو اگرچہ تعداد کتنی ہی تھوڑی تھی مگر ان سب کے لئے پناہ گاہ بن گئی تھی جو مختلف قبائل کے اندر اِکا دُکا اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ یہ حضرات بھی مدینہ طیبہ پہنچنے لگے ——— اقتصادیات کے ماہرین کے لئے ایک نہایت دلچسپ سوال ہے کہ ان بے روزگاروں کے لئے روزگار کی کیا شکل کی جائے ۔؟ ان کا تقدس اسکی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کے ایک پیسے پر بھی نظر ڈالیں۔ خود تہی دست ہیں، ذریعہ معاش کوئی نہیں ——— خود مدینہ میں ایک کافی تعداد ان بڑے لوگوں کی ہے جو صاحب دولت ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوئے۔ مدینہ کے آس پاس یہودیوں کے قبیلے ہیں۔ وہ بہت خوش حال بڑے دولت مند۔ ان کی تجارتی کوٹھیاں بھی ہیں اور ان کے پاس تجارتی منڈیاں بھی۔ لیکن ان کے سامنے جھکنا خودداری اور اسلامی غیرت کے خلاف ہے۔

جیسے ہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے مدینہ کے مسلم اور غیر مسلم باشندوں سے ایک معاہدہ ہو گیا اور اس طرح ایک ایسا نظام قائم ہو گیا جسکو حکومت یا مملکت کہا جا سکتا ہے۔ ممکن تھا کہ اس نظام کے ذریعہ کوئی ٹیکس عائد کر دیا جاتا۔ لیکن یہ بات اسلامی خودداری کے قطعاً مخالف تھی کہ اپنی ضرورتوں کے لئے ان سے ٹیکس وصول کریں جو ذہنی طور پر ہمنوا اور حامی نہیں ہیں ——— غیرت اور خودداری کا تقاضا یہ تھا کہ نووارد مسلمانوں کے لئے امداد کی اپیل کی جائے تو صرف ان سے جو ہر طرح اپنے آپ کو اسلام کے لئے پیش کر چکے تھے ——— لیکن لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن کے اصول کا تقاضا یہ تھا کہ ان پر بھی کوئی جبر نہ کیا جائے۔ اسلام کا بنیادی نظریہ یہ ہے کہ دلوں میں وہ انقلاب پیدا کر دیا جائے کہ وہ خود اپنی طرف سے امداد کا قانون بنائیں ——— کوئی سیاسی لیڈر ایسے موقع پر یہ کر سکتا تھا کہ کچھ جائیدادیں ضبط کرے تاکہ بے روزگاروں کا کام چلے اور نظام قائم ہو سکے۔ لیکن اس سے آپس کی محبت ہرگز نہیں قائم ہو سکتی تھی۔

اسلامی تعلیمات نے بہت ہی تھوڑی مدت میں معجزہ کے طور پر ایک خاص وصف مسلمانوں کے اندر پیدا کر دیا تھا۔ اس وصف کا نام ایثار ہے۔ اس ایثار نے ایک اشارہ کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ ذہانت نے اس اشارہ کو سمجھا۔ آپ نے ایک تجویز پیش کی کہ جو مدینہ کے اصل باشندے

ہیں۔ اور جو مکہ کے آنے والے مہاجر ہیں۔ ان کے اندر قانونی بھائی چارہ قائم کر دیا جائے۔ یعنی صرف زبانی دوستی اور اخوت نہیں بلکہ ایسی اخوت جو دو نسلی بھائیوں کے اندر ہوتی ہے۔ آپ نے تجویز پیش کی کہ ایک انصاری ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنائے ۔۔۔۔ حضرات انصار یعنی مدینہ کے اصل باشندوں نے بڑی خوشی سے اس تجویز کو منظور کرتے ہوئے عمل کی تمام ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر دیں۔ آپ نے نام بنام بھائی چارہ قائم کر دیا۔ یعنی یہ مہاجر فلاں انصاری کا بھائی ہے۔ اس بھائی چارہ کے معنی یہ تھے کہ مہاجر اس انصاری کی تمام املاک کے اندر برابر کا شریک ہو گیا۔ جس قدر جائیداد ہے، باغ ہے، مکان ہے تو آدھا انصاری کا یعنی مدینہ کے اصل باشندے کا اور آدھا اس بھائی مہاجر کا ۔۔۔۔

ایک لطیفہ یہ تھا کہ مہاجر بھائی کاشت سے قطعاً ناواقف، اس کا پیشہ تجارت، اس کا وطن مکہ، جہاں کھیت اور کاشت کا نام نہیں۔ اسکو اگر انصاری کی جائیداد مل بھی گئی تو اپنی زندگی میں یہ انقلاب پیدا کرنا مشکل تھا کہ وہ کاشتکار بنتا، ہل جوتتا اور کھیتوں کو سیراب کرتا۔

یہ حضرات انصار کا مخلصانہ ایثار تھا کہ انہوں نے اپنی جائیدادوں اور باغوں کا آدھا حصہ دیا۔ اور یہ بھی طے کر دیا کہ کاشت کا تمام کام وہ کریں گے۔ حضرات مہاجرین کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں البتہ آمدنی آدھی ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی ۔۔۔۔

موضوع کلام سے کسی قدر ہٹ کر یہ عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ حضرات انصار (باشندگان مدینہ) جن کے لئے ایثار کر رہے تھے وہ بھی سیاسی رنگروٹ نہیں تھے۔ یہ وہ تھے جنکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض تربیت اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کر چکا تھا ۔۔۔۔ حضرات انصار کے ایثار کے جواب میں ان مہاجر بزرگوں نے کامیابی کے جھنڈے نہیں لہرائے۔ جلوس نہیں نکالے، ۔۔۔۔ شکریہ کی رسمی تجویزیں نہیں پاس کیں بلکہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں نے اپنے انصاری بھائی سے کہا آپ کے اخلاص کا شکریہ، مجھے ایسا بازار بتا دیجئے جو زیادہ چلتا ہو۔ انصاری بھائی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ نے ان کو قبیلہ قینقاع کے بازار میں پہنچا دیا۔ (یہ وہاں بظاہر خوانچہ لگا کر بیٹھ گئے) اور دن بھر میں اتنے دام کمائے کہ شام کو جب واپس ہوئے تو انصاری بھائی کے لئے کچھ پنیر اور کچھ گھی بھی خرید کر لیتے آئے۔ (بخاری شریف ص۲۷۵)

دورِ حاضر کی تہذیب جسکو اپنی ترقی پہ ناز ہے: ان نو واردوں کو جو کسی سیاسی یا قانونی استحقاق کے بغیر باشندگانِ مدینہ کی املاک میں حصہ دار بن گئے تھے اگر کسی وجہ سے اخراج کا حکم نہ دیتی، مگر جائدادوں

کی تقسیم کی چسک اور ٹیس ان کے دلوں کو ضرور تڑپاتی رہتی۔ اور اس بنا پر ناممکن تھا کہ ان کے دلوں میں مہاجرین سے نسبت پیدا ہوتی۔ لیکن اخلاقی تربیت کی یہ برکت تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں صرف محبت ہی نہیں بلکہ عقیدت قائم ہوگئی ـــ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات ہوئی توان کے انصاری بھائی کی بیوی حضرت ام العلاء کو یقین تھا، کہ ایسا مقدس بزرگ یقیناً اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی عزت کا مستحق ہے ـــ وہ صدمہ کا اظہار کرتے ہوئے فرما رہی تھیں؛

شھادتی علیك لقد اکرمك اللہ

میں شہادت دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یقیناً عزت بخشی ہے ـــ

۳ھ میں غزوہ بنو نضیر ہوا۔ اور اس موقع پر بنو نضیر کی ضبط شدہ جائدادیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہوئیں۔ اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق پہنچتا تھا کہ ان کو ذاتی ملک قرار دے لیتے یا اپنے خاندان کے لئے مخصوص کر دیتے۔ مگر آپ نے ان جائدادوں کی تقسیم کا فیصلہ فرمایا اور یہ پورا تعلقہ حضرات مہاجرین کو تقسیم کر دیا۔ اس موقع پر حضرات انصار نے جس ایثار کا ثبوت دیا وہ بھی ناقابلِ فراموش حقیقت ہے ـــ یہ انصار تقریباً ڈھائی سال سے مہاجرین کے مصارف برداشت کر رہے تھے۔ دورِ حاضر کی روشن تہذیب جو ہمدردیٔ نوعِ انسان کی بلند بانگ دعویٰ دار ہے اگر وہ کار فرما ہوتی تو انصار کا مطالبہ یہ ہوتا کہ یہ ضبط شدہ جائداد مصارف کے عوض میں ان کے حوالے کی جائے۔ یہ یہاں کے اصل باشندے بھی ہیں اور تین سال سے پوری جماعت کا خرچ بھی برداشت کر رہے ہیں ـــ لیکن اس کے برعکس جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ یہ تعلقہ مہاجرین میں تقسیم کر دیا جائے اور جو جائدادیں بھائی چارے کی بنا پر انصار نے مہاجرین کو دی تھیں وہ ان کو واپس کر دی جائیں تو تاریخ وہ الفاظ محفوظ کرتی ہے جو حضرات انصار نے عرض کئے تھے: لا بل تقسم ھذہ فیھم وتقسم لھم من اموالنا ما شئت۔ ترجمہ:۔ نہیں حضرت یہ نہیں ہوگا۔ بنو نضیر کی تمام جائداد حضرات مہاجرین ہی کو دیدیجئے اور نہ صرف یہ جائداد بلکہ ہماری طرف سے آپ کو اختیار ہے کہ خود ہماری جائدادوں میں سے بھی جو کچھ آپ چاہیں ان کو عنایت کر دیں۔

یہی حضرات انصار ہیں جنہوں نے دوسرے موقعے پر یہ بھی فرمایا تھا کہ جو کچھ آپ لیں گے وہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو ہمارے پاس رہ جائے گا۔ (سیرۃ ابن ہشام وغیرہ)

★